دلائل السنن والآثار

۳

از جناب مولوی نجم الدین صاحب اصلاحی

ضرورت سلسلۂ اسناد یہ ایک واضح ثبوت ہے اس امر کا کہ احادیث نبوی کے ساتھ اصولی احتیاط خلفائے راشدین کے وقت سے شروع ہوتی ہے۔ تابعین کے دور میں جب رفض، خروج، ارجاء، قدر، اعتزال کے قصے پیدا ہو جاتے ہیں تو بنا بر آیت اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ الخ اور زیادہ تشدد بڑھ جاتا ہے اور اسناد ایک مستقل فن قرار پا جاتا ہے جس کی بیسیوں شاخیں ہیں، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ ایک لطیف اشارہ اہمیت اسناد پر قرآن حکیم میں ہے اِیْتُوْنِیْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ منکرین معاد و قرآن کے رد میں اوپر سے یہ سلسلہ چلا آتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آسمان و زمین اور کل مخلوقات بنائی، کیا سچے دل سے کہا جا سکتا ہے کہ زمین کا کوئی ٹکڑا یا آسمان کا کوئی حصہ کسی اور نے بھی بنایا ہے یا بنا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں پھر خدا کے ساتھ معبودانِ باطل کو کیوں پکارا جاتا ہے؟ لہذا اگر تم اپنے دعوائے شرک میں سچے ہو تو کسی آسمانی کتاب کی سند لاؤ یا کسی ایسے علمی اصول سے ثابت کرو جو عقلاء کے نزدیک مسلم چلا آتا ہو جس چیز پر کوئی نقلی یا عقلی دلیل نہ ہو آخر اسے کیوں تسلیم کیا جائے؟ ظاہر ہے کہ کسی علمی دعویٰ کے لئے دلیل و سند ہی اصل شے ہے۔ دیکھو قرآن کی صداقت پر جہاں اور بہت سی دلیلیں موجود ہیں ان میں سب سے زبردست سند اس کا تاریخی ثبوت ہے جتنی مذہبی کتابیں دنیا کی مختلف قوموں کے پاس ہیں ان میں سے ایک کے متعلق بھی تاریخی سند سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ وہ جس نبی کی طرف منسوب ہے واقعی اسی نبی کی ہے۔ بلکہ بعض مذہبی

کتابیں ایسی ہیں جن کے متعلق سرے سے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کس زمانے میں کس نبی پر اتری تھیں۔ مگر قرآن کے متعلق اتنی زبردست تاریخی شہادتیں موجود ہیں کہ کوئی شخص حضرت محمد صلعم کی طرف اس کی نسبت میں شک کر ہی نہیں سکتا۔ اس کی آیتوں تک کے متعلق یہ معلوم ہے کہ کونسی آیت کب اور کہاں نازل ہوئی؟ جس کے روایت کرنے والوں کی اتنی زیادہ تعداد ہر زمانہ میں رہی ہے کہ جن کی صداقت و قطعیت پر ذرہ برابر شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ ایک ایک آیت اور اس کے تلفظ کی کیفیت کو ابتدائے نزول سے آج تک اتنے بیان کرنے والے ہیں کہ جن کی تاریخی حیثیت آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ چنانچہ یہی تواتر عملی و قولی ایسا تاریخی ثبوت اور کھلی ہوئی سند ہے کہ جس سے بڑھ کر کسی علمی شئے کی ثبوت اور قطعیت کی کوئی دلیل و سند نہیں ہوسکتی۔ پس آیتِ بالا پر غور کرنے سے صاف طور پر یہ اصول ہاتھ آتا ہے کہ جس کسی مذہبی دعوی کے لئے یا تو آسمانی کتاب کی سند ہو یا کسی علمی اصول سے ثابت ہو وہ قرآن کے نزدیک حجت و سند دینی ہے۔

یہ تو ہوئی نقلی دلیل۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ جب کسی بات کی نسبت کسی کی طرف کی جاتی ہے۔ تو سب سے پہلے یہ سوال عقلی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ اس پر کیا ثبوت ہے کہ یہ فلاں کا کلام ہے؟ آدمی کہتا ہے کہ میں نے خود سنا ہے یا دیکھا ہے یا فلاں نے مجھ سے بیان کیا ہے یا دیکھا ہے۔ اگر یہ سلسلہ اس آدمی تک متصل ہے تو بات صاف ہے۔ اب صرف بات کی معقولیت اور ناقل کی صداقت کی بحث باقی رہ جاتی ہے، جس پر مفصل بحث آگے آئے گی۔ بہر حال اسی اصول کے ماتحت آسمانی کتابیں، سنن و آثار نبوی، لغت و اشعار، فقہ و اصول حتی کہ ائمہ کے مذاہب اور تصوف کے سلاسل سنداً روایت ہونا شروع ہوئے اور یہ سلسلہ اتنا زبردست اور محکم ثابت ہوا کہ جس کی معقولیت اور ناقابلِ انکار مقبولیت نے مخالفین کی زبانوں پر مہر سکوت لگادی۔ غور کرو کہ پیغمبر نے ایک بات کہی یا کوئی کام کیا۔ اگر وہ بات اور فعل اس طریقہ پر روایت ہوا اور ذرہ برابر اس کے اندر تغیر و تبدل نہیں ہوا تو ظاہر ہے کہ حق و صداقت اور روحانیت کے اثر اور اس کے برکات ہیں۔ پھر کیا کسی کو کوئی شبہ ہوسکتا ہے؟ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ ہر علم اپنے اندر ایک خاص کیفیت و اثر رکھتا ہے، جس کی مزاولت و ملازمت سے آدمی نیک و بد اور بات کے صحیح و غلط کا فیصلہ کرتا ہے۔

فن حدیث میں سند ایسا علم ہے کہ صرف اسی کے ذریعہ ہر دینی کام کی نسبت پیغمبر صلعم تک صحیح طور پر معلوم کی جاسکتی ہے اور اس وجہ سے گویا آدمی کے اندر معنیٰ صحابیت کا شرف پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ معنیٰ صحابیت نام ہے اطلاع بر جزئیات احوالِ رسول و مشاہدہ اوضاع و کیفیات کا، خواہ وہ عبادات سے متعلق ہوں یا عادات سے، جو بغیر سند قابلِ اعتبار نہیں۔ سند کے عالی اور نازل ہونے کے صدہا واقعات کتب رجال و طبقات میں موجود ہیں جو غیر معمولی احتیاط پر دلالت کرتے ہیں۔ صرف ایک واقعہ یہاں پر درج کر دیا جاتا ہے جس سے سند کے عالی و غیر عالی ہونے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

جب حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ نیشاپور تشریف لے گئے تو حافظ حدیث امام ابوزرعہؒ و امام ابو مسلم طوسیؒ نے خدمت میں حاضر ہو کر امام ممدوح کے آباؤ اجداد کرام کے سلسلہ سے روایت حدیث کی درخواست کی۔ حضرت ممدوح نے اپنے والد ماجد سے لے کر جناب رسولِ خدا صلعم تک مرفوعاً روایت کی، "قال حدثنی ابی موسیٰ الکاظم عن ابیہ جعفر الصادق عن ابیہ محمد الباقر عن ابیہ علی زین العابدین عن ابیہ شہید کربلا عن ابیہ علی المرتضیٰ قال حدثنی حبیبی و قرۃ عینی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال حدثنی جبرئیل علیہ السلام قال حدثنی رب العزۃ سبحانہ و تعالیٰ کلمۃ لا الٰہ الا اللہ حصنی فمن قالہا دخل حصنی و من دخل حصنی امن من عذابی"۔ جب شمار اہل محابر و دواوین کا کیا گیا تو ۲۰ ہزار اشخاص وہاں حاضر پائے گئے۔ چنانچہ اسی سند کے متعلق امام الجرح والتعدیل حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں "لو قری ہذا الاسناد علی مجنون لافاق من جنونہ" حتی کہ امام ابوالقاسم قشیریؒ نے لکھا ہے "اتصل ہذا الحدیث بہذا السند ببعض امراء السامانیۃ فکتبہ بالذہب واوصی ان یدفن معہ فی قبرہ فرأی فی المنام بعد موتہ فقیل لہ ما فعل اللہ بک فقال غفرلی بتلفظی لا الٰہ الا اللہ وتصدیقی ان محمدا رسول اللہ، اوردہ المناوی فی شرحہ الکبیر علی الجامع الصغیر (تفصار جیود الاحرار)

چنانچہ اسی بناپر امام ابن سیرینؒ جو فن حدیث کے رکن اعظم ہیں ان کو کہنا پڑا، ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم۔ قال لم یکونوا یسألون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالکم۔ الاسناد من الدین۔ لولا الاسناد لقال من شاء ما قال۔ الاسناد سلاح المومن! امام زہری بڑے رتبہ کے آدمی ہیں ایک روز سفیان بن عیینہ سے ایک حدیث بیان کرنی چاہی سفیانؒ نے فرمایا کہ آپ مجھ سے بلاسند بیان کیجئے کیونکہ ان کو امام زہری پر کامل اعتماد تھا۔ امام زہری نے فرمایا کیا تو بلازینہ چھت پر چڑھ سکتا ہے؟[۱]

اور یہ واقعہ تو موطا امام مالکؒ کے پڑھنے والے تک کو یاد ہوگا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے جو تبع تابعی اور خلفاء بنی امیہ میں بڑے رتبہ کے بزرگ ہیں جن کا شمار خلفاء راشدین کے ساتھ ہوتا ہے، ایک روز نماز عصر میں دیر کر دی۔ عروہ بن مسعود تابعی نے ٹوکا اور رسول اللہ صلعم کا جبرئیل کے ساتھ نماز پڑھنا اور جبرئیل کا ابتدائی و انتہائی اوقات نماز بتانا بیان کیا۔ خلیفۂ وقت کو سخت تعجب ہوا۔ استعجاباً پوچھا، اعلم ما تقول یا عروة۔ دیکھو کیا کہہ رہے ہو۔ عروہ نے فوراً اس طرح سند پڑھ کر خلیفہ کو ساکت کر دیا کہ مغیرہ بن شعبہؓ نے کوفہ میں ایک روز نماز میں دیر کر دی تو ابو مسعود انصاریؓ نے ٹوک دیا اور کہا کہ مغیرہ یہ کیا ہے؟ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ جبرئیل نے دو روز آکر آنحضرت صلعم کو نماز پڑھ کر نماز کی ابتدا و انتہا کو بیان کر دیا۔ بہرکیف یہ شہادتیں، اس امر کی دلیل ہیں کہ اسناد ہی ایک ایسی کسوٹی ہے کہ جس کے ذریعہ صحیح و غلط اور روایت و خبر کے پرکھنے اور جانچنے کا اصول ہاتھ آتا ہے، انھیں اسناد میں سے بعض کو محدثین و فقہاء نے سلسلۃ الذہب سے تعبیر کیا ہے۔ مثلاً حضرت امام اعظمؒ کا جو سلسلۃ الذہب بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے، ابوحنیفہ عن حماد بن ابی سلیمان عن ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہ بن مسعودؓ۔ اسی طرح حضرت امام بخاری کے کئی سلسلے ہیں مثلاً محمد بن اسمٰعیل عن محمد بن عبداللہ الانصاری عن حمید عن انس بن مالکؓ۔ یہی امام بخاری کے بعض شیوخ حضرت امام ابوحنیفہؒ و امام مالکؒ کے ہم طبقہ ہیں۔ اور ثلاثیات بخاری، بخاری شریف کی ایک اہم اور محیر العقول چیز ہے۔ امام مالکؒ

[۱] تدریب الراوی

کا سلسلۃ الذہب بقول امام بخاریؒ یہ ہے: مالک عن نافع عن عبداللہ بن عمر۔ اسی قسم کی سندوں کے متعلق محدثین یہ الفاظ بھی بولتے ہیں، فھم اشھر من نار علی علم۔ تفصیل کے لئے فنی اعتبار سے معرفۃ علوم الحدیث للحاکم از صفحہ ۵۲ تا صفحہ ۵۸ مطبوعہ مصر ملاحظہ ہو، ثبوت بالا مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر درج کردئے گئے ہیں ورنہ ایں رشتہ بانگشت نہ پیچی کہ دراز است۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ہر فن میں فن والے کی رائے اور اس کی تحقیق و تشریح ہی حجت و سند ہے۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ سنن و آثار نبوی کے معلوم کرنے کے لئے سند کو اصل الاصول نہ قرار دیا جائے درانحالیکہ کوئی اور ذریعہ اس کے مستحکم اور محتاط اذعان ویقین کا موجود نہ ہو۔ بلاریب عمل بھی ایک اہم مستحکم اور محتاط ذریعہ ہے لیکن یہاں بھی یہ بحثیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ کس کا عمل؟ ایا فرق باطلہ کا یا اہل حق وارباب نقل کا؟ کیونکہ بہت سے ایسے مسائل پیدا ہو گئے ہیں کہ جن کا ثبوت صدر اول میں نہ تھا اور نہ کتاب وسنت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ مگر جماعتی عصبیت جاہلیت کا یہ عالم ہے کہ اسے بھی کتاب وسنت ہی سے ثابت کیا جاتا ہے اور مزید ثبوت کے لئے سواد اعظم اور عملی تواتر کا نام لیا جاتا ہے کہ برابر اہل علم اس پر عمل کرتے آئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمل بھی وہی صحیح اور حق ہوگا جس کا سلسلہ صحابہؓ اور آنحضرت صلعم تک ثابت ہو اور یہ چیز بھی بدون سند صحیح قابلِ پذیرائی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا یہ مختصر گذارش ایک منصف اور محقق کے لئے بس ہے، تو خود حدیثِ مفصل بخواں ازیں مجمل۔

عدالت وثقاہت صحابہؓ یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ قرآن حکیم خدا کا آخری پیغام ہے جو تمام عالم کی رہنمائی کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ یہ مقدس اور برگزیدہ صحیفۂ یزدانی حضرات صحابہؓ ہی کے ذریعہ سارے عالم میں پہنچا اگر ان حضرات کی عدالت اور ثقاہت وغیرہ مشتبہ رہی تو پھر دین ومذہب کی ساری اساس وبنیاد معرضِ بحث میں آجاتی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم ہی نے سب سے پہلے صحابہ کے فضائل واخلاق اور عدالت وثقاہت کو مفصل بیان فرمایا اور جو لوگ قرآن سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اس کی آیات پر کامل تدبر وتفکر کرنے کے عادی ہیں ان کے سامنے یہ حقیقت (کہ صحابہ عادل اور ثقہ تھے) آفتاب سے زیادہ واضح ہے۔ استیعاب لابن عبدالبرؒ وغیرہ میں مفصل گفتگو میں

اس پر موجود ہیں۔ اس موقع پر میں شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ کی ایک تقریر کا خلاصہ اصابہ سے نقل کر دینا ضروری سمجھتا ہوں جو لمبی چوڑی تحریر و تقریر سے بے نیاز کر دینے والا ہے اور جو تمام تر قرآن مجید سے ماخوذ ہے فرماتے ہیں :۔

"حضرات اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ صحابہ عدول ہیں۔ اس باب میں کوئی اختلاف نہیں ہے سوا مبتدعہ کی ایک مختصر سی ٹولی کے خطیب نے کفایہ میں نہایت نفیس بحث اس موضوع پر کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ صحابہ کی عدالت و ثقاہت تو خود خدا کی تعدیل کے بموجب ہم مانتے ہیں۔ مثلاً كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ اور وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا۔ اور لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ الخ۔ اور السَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔ اور يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ اور لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ۔ غرض بہت سی آیتوں میں یہ ذکر موجود ہے کہ صحابہ عادل اور ثقہ ہیں۔ ان سب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعدیل کے بعد اب وہ کسی تعدیل کے محتاج نہیں ہیں۔ اور اگر خدا اور رسول کی طرف سے یہ کچھ وارد نہ ہوتا جو ہم نے ذکر کیا ہے تب بھی ان کی گراں قدر خدمات، ہجرت، جہاد، اسلام کی مدد، جانی و مالی قربانی، باپ اور بیٹے تک سے لڑ جانا، راہِ اسلام میں مناصحۃ فی الدین، قوت ایمان اور عزم و ثبات، یہ سب اس پر شاہد عادل ہیں کہ وہ عادل اور تمام امت سے اعلیٰ و افضل ہیں، اور ان معدلین سے بھی جو ان کے بعد ان پر جرح کرنے پر آمادہ ہیں۔ یہی تمام علماء کا مسلک ہے۔ ابو زرعہ رازی کہتے ہیں کہ جب تم کسی ایسے آدمی کو دیکھو جو صحابہ میں سے کسی کی تنقیص کر رہا ہو تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے اور اس پر اپنا ایمان رکھو کہ رسول حق ہے قرآن حق ہے اور جو کچھ وہ لایا برحق ہے۔ بعد یہ کہ وہ تمام لوگ جو ان پر جرح کرنا چاہتے ہیں وہ کتاب و سنت کو باطل کرنا چاہتے ہیں، اور بہتر یہ ہے کہ خود ان پر جرح کی جائے وہ سب کے سب زنادقہ ہیں۔"

لفظ عدالت ایک مشترک لفظ ہے جس کے مختلف معنیٰ ہیں لیکن محدثین کے نزدیک عدالت کے معنیٰ اجتناب عن الکذب کے ہوتے ہیں یعنی اس معنیٰ کر کے عادل اس شخص کو کہیں گے جو روایات میں دروغ بیانی نہ کرتا ہو۔ تمام صحابہ کو اسی معنی میں عدول کہا جاتا ہے۔ یہ کسی محدث کا دعویٰ نہیں ہے کہ صحابہ کوئی بات انصاف کے خلاف نہیں کر سکتے یا ان سے کوئی فعل تقویٰ و طہارت کے خلاف صادر نہیں ہو سکتا یا وہ انبیاء کی طرح معصوم ہیں، یا وہ تمام گناہوں سے محفوظ ہیں۔ چنانچہ محدثین نے صاف صاف یہ تصریح کر دی ہے۔ علامہ سخاوی فتح المغیث میں اور قاضی شوکانی ارشاد الفحول[1] میں لکھتے ہیں :۔

" ابن انباری کا قول ہے کہ اتہامات کے ثبوت کے بعد یہ مطلب نہیں کہ صحابہ معصوم ہیں اور ان سے گناہوں کا سرزد ہونا محال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی روایتوں کو اسباب عدالت و ثقاہت کی چھان بین کئے بغیر قبول کر لینا چاہئے۔ بجز اس صورت کے جب وہ ایسے امر کا ارتکاب کریں جو روایات میں قادح ہو اور یہ ثابت نہیں ہے۔"

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی لکھتے ہیں :۔

" اہل سنت کا یہ مقررہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کل کے کل عادل ہیں۔ یہ لفظ بار بار بولا گیا ہے اور میرے والد مرحوم (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)، نے اس لفظ کی حقیقت سے بحث کی تو یہ ثابت ہوا کہ اس موقع پر عدالت کے متداول معنی مراد نہیں ہیں۔ بلکہ صرف عدالت فی روایۃ الحدیث مراد ہے۔ اس کے سوا اور کچھ مراد نہیں، اور اس عدالت کی حقیقت "روایات میں اجتناب عن الکذب" ہے کیونکہ ہم نے تمام صحابہ کی سیرت کو خوب ٹٹولا، یہاں تک کہ ان لوگوں کی سیرت کا بھی تتبع کیا، جو خانہ جنگیوں، فتنوں اور لڑائی جھگڑوں میں شریک ہوئے، تو ہم کو معلوم ہوا کہ وہ رسول اللہ صلعم کے متعلق دروغ بیانی کو سخت ترین گناہ سمجھتے ہیں اور اس سے شدت کے ساتھ احتراز کرتے ہیں[2] (ظفر الامانی)۔"

[1] صفحہ ۷۶ مطبوعہ مصر، [2] مقدمہ اسوۂ صحابہ،

یہ ایک واضح امر ہے کہ مدارج روایت اور تفقہ و اجتہاد کے اعتبار سے صحابہؓ کے مختلف طبقات تھے لیکن فضائل و مناقب کے لحاظ سے، خلفاء راشدین، ازواجِ مطہرات، مہاجرین اولین، انصار، اہل عقبہ و اہل بدر، و مشاہد وغیرہ ایک دوسرے سے افضل ہیں۔ مزیت و فضیلت اضافی چیزیں ہیں ورنہ اس اختلاف مراتب کے باوجود مومن صالح ہونے میں تمام صحابہ برابر ہیں، اور سب کے سب اہل جنت ہیں۔ "وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ۔"

کتاب و سنت کی اہم شہادتوں اور ائمہ کرام کی تصریحات کے بعد بھی اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ "صحابہ کی عدالت و ثقاہت غیر صحیح، قرآن کے خلاف اور محض عقیدتمندی کا فیصلہ ہے" تو حیرت کی انتہا نہیں رہتی کہ خدایا یہ کیا مصیبت ہے؟ اب تک تو یہی رونا تھا کہ محدثین نے جو کچھ الفاظ جرح و تعدیل رواۃ حدیث کے متعلق وضع اور استعمال کئے وہ محض ظن اور تخمین تھے، اور ان کا فیصلہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، لیکن صحابہ کرام جن کی عظمت و بزرگی، جلالتِ شان اور تقدس وغیرہ پر تو خود قرآن ناطق ہے، اب ان حضرات رضی اللہ عنہم کے متعلق بھی فضا خراب کردی جائے تو سمجھنا چاہیئے کہ ایسا شخص اہل علم سے بہت دور ہے۔ ورنہ اگر تحقیق مدنظر ہوتی تو سب سے پہلے وہ قرآن کی آیات پر تدبر کرتا۔ وہیں سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ کی روشنی اس کے لئے شمع راہ ہوتی۔ اور رضی اللہ عنہم و رضوعنہ کی تعدیل نہ صرف صحابہ کرام کے متعلق ملتی بلکہ تابعین کے بارے میں بھی سند ثقاہت ہاتھ آتی۔ اور "خَیْرَ اُمَّةٍ" الخ اور "اُمَّةً وَّسَطًا" کے اولین مخاطب کا سراغ ملتا۔ "لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ ..... وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى" کا طغرائے امتیاز میزان عدل و قسط قرار پاتا۔ قرآن مجید کے عموم کے مطابق تو جملہ صحابہ و تابعین، صالح اور مومن قطعی طور پر ثابت ہیں۔ جو لوگ روایتوں سے صرف تاریخیت کے قائل اور حجیت دینی کے منکر ہیں ان کو تو بہر حال صحابہ و تابعین کی عدالت و ثقاہت قرآن ہی سے ماننی پڑے گی صحابہ کرام کے غیر ثقہ ہونے پر چاہے ہزاروں جرحیں احادیث و سیر سے پیش کی جائیں، مگر ان سے قرآن کے فیصلہ "رضی اللہ عنہم و رضوعنہ" وغیرہ آیات پر تو ذرہ برابر اثر نہیں پڑ سکتا۔ رہ گئے وہ لوگ جو روایتوں یعنی سنن و آثار نبوی کو حجیت دینی

مانتے ہیں تو وہ نہ تو صحابہ کو معصوم سمجھتے ہیں نہ خطا و لغزش بشری سے پاک۔ ہاں خواہ مخواہ ان کی نیتوں کے متعلق سوءِ ظنی رکھنا جس پر نہ قرآن راضی نہ اللہ و رسول کا حکم، کسی طرح جائز نہیں رکھتے۔ مشاجراتِ صحابہ محض ایک اجتہادی غلطی تھی ورنہ واقعات شاہد ہیں کہ باوجود شدید اجتہادی اختلاف کے ایک دوسرے کا احترام فرماتے تھے۔ حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ کو ام المومنین کہتے رہے۔ خود حضرت عائشہؓ جن کی برأت و تطہیر قرآن نے کی اور حضرت علیؓ جن کو آنحضرت صلعم نے بمنزلہ ہارونؑ کے کہا کیونکر غلطی فرما سکتے تھے۔ کیا قرآن اس ہستی کی برأت کر سکتا تھا جو فتنہ میں ملوث ہونے والی ہو؟ کیا پیغمبر ایسے شخص کو بمنزلہ ہارون کہتا جو باطل کے لئے جنگ و جدل کریں؛ نہیں ہر گز نہیں۔ یہی وجہ تو تھی کہ باوجود ان باتوں کے کوئی ایک صحیح واقعہ موجود نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ یہ حضرات ایک دوسرے کو (معاذ اللہ) برا کہتے یا سمجھتے تھے۔

یہ ہے واقعہ کی اصلی تصویر اور صحابہ کی عدالت کی حقیقی تعبیر۔ کیا یہ بات آج کل کے آزاد اور نام نہاد مفسرون کے لئے حیرت انگیز نہیں ہے کہ حضرت موسیٰؑ جو بحکم قرآن نبی و رسول ہیں، ان سے "لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي" اور "أَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ" کا صدور ہو جائے۔ انتہائی غیظ و غضب میں حضرت ہارونؑ کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑیں اور کھینچنے لگیں۔ یہی کہا جائے گا نا کہ (حاشا) ہارون کی اہانت کی نیت سے ایسا نہیں کیا تھا؟ اور حضرت موسیٰؑ اس حالت میں شرعاً معذور تھے۔ فرط غضب اور ہنگامہ دار و گیر میں الواح ہاتھ سے چھوٹ گئیں جسے عدم تحفظ کی وجہ سے تغلیظاً القاء سے تعبیر فرمایا گیا کیونکہ بظاہر "خُذْهَا بِقُوَّةٍ" کا امتثال نہ کر سکے۔ مگر چونکہ ان دونوں معاملات کی سطح جو ہارون یا الواح کے متعلق ظہور میں آئی بہر حال صورت پسندیدہ نہ تھی گو موسیٰؑ باعتبار نیت معذور تھے، اس لئے "أَنَّهُ رَبِّ اغْفِرْ لِي" کہکر حق تعالیٰ سے عفو کی درخواست کی۔ یا اس کے سوا اور کوئی تاویل ہوگی؟

یہ باتیں ان حضرات کے لئے زیادہ غور کرنے کی ہیں جو محض قرآن کو آڑ بنا کر عصمتِ انبیاء، و عظمت صحابہ کا نام لے کر سنن و آثار نبوی کو مجروح کرنے کے عادی ہیں۔ ایک طرف تو زبانی ادعائے قرآن دانی اور دوسری جانب علوم و فنونِ اسلامیہ سے بیگانگی، بجز و فقدان کا یہ عالم کہ اگر کوئی روایت ذرا بھی بظاہر معارض نظر آئی جمع و توفیق کی بیسیوں

شکلوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور فوراً یہ کہنا شروع کر دیا جاتا ہے کہ قرآن کے خلاف ہے عقل کے منافی ہے، آنحضرت صلعم کی عصمت اور صحابہ کرام کی عظمت و رفعت، ازواج مطہرات کی عفت و طہارت کا مقام اس سے بلند ہے، سننے والا مرعوب ہو جاتا ہے اور یارانِ طریقت اپنا کام کر جاتے ہیں۔ حالانکہ سیدھی سی منطق ہے کہ اگر قول و فعل پیغمبر صلعم کا ہے تو وہ قیامت تک بیان بالا کے مخالف نہیں ہو سکتا۔ صحیح عقل و نقل میں کبھی تعارض نہیں رہا ہے۔

یہ حال ہے ان بخاری وقت لوگوں کا۔ یہ حضرات تو پیغمبر اور صحابہ وغیرہ کی عظمت و عصمت کو سمجھیں اور نہ سمجھیں تو امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، بخاریؒ، مسلمؒ، علی بن المدینیؒ، یحییٰ بن سعید القطانؒ، ابو حاتم رازیؒ، ابو زرعہؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، یحییٰ بن معینؒ، علامہ ابن حزمؒ، ابن قیمؒ و شاہ ولی اللہؒ وغیرہم ایک ایسی جماعت ہو جو اسلام کے لئے سخت مضر اور سم قاتل ہے۔ اس کے دام تزویر میں اگلے بڑے بڑے عباد و زہاد اور مغرب زدہ سعادتِ ازلی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ایسی بے اصول جماعت سے گفتگو ہو بھی تو کیوں کر؟

بحث و مناظرہ سے بجائے اس کے کہ حق کو حق سمجھا جائے زیادہ تر معاملہ برعکس ہی ہوتا ہے، ورنہ قرآنِ کریم تو بآواز بلند مدعی ہے کہ اصحاب محمد رسول اللہ صلعم کی قدوسیت توریت و انجیل میں بھی بیان ہوئی ہے ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:۔

"وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا، .... اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں،، (استثنا، باب ۳۳ صفحہ ۲۰۱)

کیا مذکورہ پیشینگوئی فتح مکہ کے دن پوری نہیں ہوئی؟ قرآن کو پڑھو تو اس میں اصحاب رسول اللہ کے ایک ایک خدوخال کو واضح کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ آخر اس سے کون لوگ مراد ہیں؟ کیا اس زبردست شہادت کے بعد بھی کسی کو صحابہ کی عدالت و ثقاہت میں شبہ رہتا ہے؟ کون مسلمان ہے جو پنجوقتہ نمازوں میں سورہ فاتحہ نہ پڑھتا ہوگا مگر کیا کبھی اس حقیقت پر بھی غور کیا گیا کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے

کن کے راستے کی طلب مراد ہے اور وہ کون لوگ ہیں جن پر انعام و اکرام باری کی بارش ہوئی اور منعم علیہم قرار پائے؟ اس کا جواب قرآن خود دیتا ہے "مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ"۔ کیا صالح ہونے میں خلفاء راشدین کے علاوہ صحابہ کی جماعت داخل نہیں ہے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ ان کی اجتہادی غلطیوں کو نفاق و شقاق، (معاذ اللہ) عدوان اور سرکشی سے تعبیر کر کے اپنے نامۂ اعمال کو خراب کیا جاتا ہے "کل مجتہد مصیب والمصیب واحد والمخطی معذور بل ماجور" کی توجیہ ایک منصفانہ اور عالمانہ فیصلہ ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہی حق پسندانہ بات فرمائی ہے کہ "تلك دماء طهر الله منها سيوفنا فلا نخضب بها السنتنا"[1] تلاش حق و صداقت اور غور و فکر کے لئے اتنے اشارات کافی ہیں، بشرطیکہ تحقیق مدنظر ہو۔

سنن و آثار نبوی کے مرکزی مقامات اور ان کی نشر و اشاعت

مذکورہ مباحث کے بعد یہ بتا دینا ضروری ہے کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے آنحضرت صلعم کے وصال کے بعد مختلف مقامات پر اپنے مراکز اور چھاؤنیاں قائم کرلی تھیں۔ ان میں سے بہت سے لوگ خدا کی راہ میں جہاد وغیرہ کے لئے نکلے۔ لوگ ان کے پاس جمع ہوتے۔ وہ ان کے سامنے خدا کی کتاب اور پیغمبر کی سنت کو ظاہر فرماتے اور کسی چیز کو کبھی نہ چھپاتے۔ مکہ، مدینہ، کوفہ، شام، بصرہ، یمن، جزیرہ، خراسان، مصر میں صحابہ کی جماعت موجود تھی لیکن سیاسی اور مذہبی اعتبار سے اول الذکر ہر سہ مقامات کو خاص اہمیت حاصل تھی۔

صحابہ میں حضرات خلفاء اربعہ اور ابن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، عمار بن یاسرؓ، حذیفہؓ، سلمانؓ، ابو درداؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ فقہائے صحابہ کے نام سے موسوم ہیں اور اکثر آنحضرت صلعم کے عہد میں فتویٰ دینے کے مجاز تھے۔ ان کے علاوہ مفتیانِ صحابہ کی تعداد ۱۲۰ سے متجاوز ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ، انس بن مالکؓ، جابر بن عبداللہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابوسعید خدری، عائشہؓ، علامہ ابن جوزی کی

---

[1] ارشاد الفحول

اصطلاح میں رواۃ صحابہ ہیں۔[1]

سنن و آثار نبوی سے جو احکامات ثابت ہیں بقول علامۂ خطلی صرف حضرت ابو ہریرہؓ سے ڈھائی ہزار مروی ہیں۔[2] اور جنھوں نے سنن ابی داؤد و جامع ترمذی، الامام ابن دقیق العید منتقی الاخبار لابن تیمیہؒ وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ احکامات اسلامی کی فہرست کس درجہ طویل اور معاشرتی و تمدنی زندگی کو حاوی ہے لیکن بقول علی بن المدینی جس کو ابو بکر خطیب نے روایت کیا ہے تین شخص ایسے ہیں جن پر احکامات نبوی صلعم کا علم منتہی ہوتا ہے، وہ درج ذیل ہیں :-

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلبؓ۔ آپ ہجرت کے دو سال پہلے پیدا ہوئے اور رسول اللہ صلعم نے آپ کے لئے دعا کی کہ "خدا ان کو دین میں فقیہ بنا اور ان کو تاویل کتاب الٰہی سکھا" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ ابن عباس قرآن کے کس قدر اچھے ترجمان ہیں۔ اگر ان کو ہمارا سن و سال ملتا تو ہم میں کوئی ان کا ہمسر نہ ہوتا۔ معمرؒ کا قول ہے کہ ابن عباس کا عام علم تین بزرگوں سے ماخوذ ہے۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت ابی بن کعبؓ۔ شوق کا یہ عالم تھا کہ خود حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ میں جب یہ سنتا تھا کہ ایک آدمی کے پاس حدیث ہے تو اس کے ہاں جاتا تھا اور اس کے انتظار میں بیٹھ جاتا تھا یہاں تک کہ جب وہ نکلتا تو میں اس سے پوچھ لیتا۔" تفسیر اور فقہ میں اہل مکہ کے علم کا دارومدار حضرت ابن عباس ہی پر ہے۔ آپ نے ۶۸ھ میں بمقام طائف وفات پائی۔[3] آپ کے ممتاز تلامذہ میں سعید بن جبیر، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ، مجاہد، جابر بن زید، طاؤسؒ وغیرہ ہیں۔ ان تمام کے علم کا سلسلہ عمرو بن دینار پر منتہی ہو کر روئے زمین پر چھا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے فتاووں کو مامون عباسی کے پوتے نے جمع کرایا تو ۲۰ کتابیں ہوئیں۔[4]

(۲) حضرت زید بن ثابت کاتب الوحیؓ۔ آپ کے والد کا نام ضحاک تھا اور انصار کے قبیلہ بنو نجار سے تعلق رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلعم جب مدینہ آئے تو آپ کی عمر ۱۱ سال کی تھی۔ سب سے پہلے آپ نے غزوۂ خندق میں شرکت کی۔

[1] تلقیح فہوم الاثر [2] فصول الحواشی [3] تاریخ فقہ اسلامی [4] المدخل لابن بدران

تبوک کی جنگ میں بنو مالک بن النجار کا جھنڈا حضرت عمارہ بن حزمؓ کے ہاتھ میں تھا لیکن رسول اللہ صلعم نے ان سے لے کر حضرت زید بن ثابت کے حوالہ کر دیا۔ عمارہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میرے متعلق آپ کو کوئی بات معلوم ہوئی ہے؟ فرمایا "نہیں لیکن قرآن مقدم ہے اور زید نے تم سے زیادہ قرآن پڑھا ہے"۔ حضرت زید بن ثابتؓ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں کاتب کی خدمت انجام دیتے تھے۔ حضور کے پاس سریانی زبان میں بہت سے خطوط آتے تھے۔ اس لئے حضرت زید بن ثابت نے آپ کے ارشاد سے سریانی زبان سیکھی۔ آنحضرت صلعم کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بھی کاتب رہے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو تین بار مدینہ میں اپنا جانشین بنایا۔ حضرت عثمانؓ بھی جب حج کو جاتے تھے تو آپ کو اپنا جانشین کر جاتے تھے۔ آپ صحابہ میں سب سے زیادہ فرائض کے عالم تھے چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ زید تم میں سب سے زیادہ علم فرائض کو جانتے تھے۔ آپ صحابہ میں بہت بڑے عالم اور راسخین فی العلم میں تھے۔

آپ جمع و ترتیب قرآن کے رکن اعظم ہیں۔ آپ کا عمل یہ تھا کہ صرف اپنی یاد اور اپنے لکھے ہوئے اجزا ہی پر قناعت نہیں فرماتے تھے بلکہ اور حفاظ کی یاد اور دوسرے کاتبوں کے صحیفوں اور ان اجزاء سے بھی آپ نے مدد لی جو رسول صلعم کے گھر میں لکھے ہوئے موجود تھے۔ آپ نے مہاجرین اور انصار کے اتفاق سے اس مجموعہ کو مکمل کیا اور حضرت شیخینؓ کے ذریعہ خدا نے اپنی اس ضمانت "اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ" کو پورا فرمایا۔ حضرت عثمانؓ نے جب اپنے زمانہ میں اس کام کے لئے لوگوں کو تعین فرمایا تو حضرت زید بھی بحیثیت رکن اعظم شریک تھے۔ بہت سے صحابہ اور تابعین نے آپ سے روایتِ حدیث کی مثلاً فقہاء سبعہ مدینہ منورہ، قبیصہ بن ذویب، ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن، سالم بن عبد اللہ، ابان بن عثمان وغیرہ۔ ان تمام لوگوں کا علم تین حضرات پر منتہی ہوتا ہے، ابن شہاب، ابی بکر بن عبد اللہ الاشج اور ابوالزناد۔ پھر ان تمام کا علم حضرت امام مالکؒ تک پہنچ کر دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل پڑتا ہے۔

(۳) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ہذلی۔ بنو زہرہ کے حلیف اور قدیم الاسلام ہیں۔ آپ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے آپ کو چھ مسلمانوں میں کا چھٹا مسلمان پایا۔ اس وقت سطح زمین پر ہم لوگوں کے سوا کوئی اور مسلمان نہ تھا۔

مکہ میں سب سے پہلے آپ ہی نے باعلان قرآن مجید پڑھا۔ جب آپ اسلام لائے تو رسول اللہ صلعم نے آپ کو اپنی خدمت میں رکھ لیا۔ آپ خدمت کرنے لگے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم کو اندر آنے کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں، تمھاری اجازت صرف یہ ہے کہ تم میری بات سُن لو اور پردہ اٹھا ہوا ہو۔ چنانچہ وہ آپ کے پاس اندر آتے جاتے، آپ کو جوتا پہناتے، آپ کے ساتھ آگے آگے چلتے، جب آپ غسل فرماتے تو پردہ کرتے، اور جب آپ سوتے تو آپ کو بیدار کرتے۔ حبشہ اور مدینہ دونوں جگہ ہجرت کی اور دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ رسول اللہ کے ساتھ بدر، احد، اور خندق، بیعۃ الرضوان اور تمام لڑائیوں میں شریک ہوئے اور آپ کے بعد معرکۂ یرموک میں شرکت کی۔ آپ سے بہت سے صحابہ اور تابعین نے حدیث کی روایت کی ہے۔ حضرت حذیفہؓ سے کہا گیا کہ ہم کو ایسا شخص بتائیے جو طور و طریقے میں آنحضرت صلعم سے سب سے زیادہ قریب ہو تاکہ ہم اس سے حدیث سنیں اور اخذ کریں۔ بولے طرز و روش میں آنحضرت صلعم سے سب سے زیادہ قریب ابن مسعود ہیں۔ اصحابِ محمدؐ میں جو لوگ محفوظ ہیں وہ جانتے ہیں کہ ابن ام عبد، سب سے زیادہ مقرب بارگاہِ الٰہی ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ خلیفہ بناتا تو ابن ام عبد کو بناتا۔ حضرت عمر نے آپ کو کوفہ بھیجا اور باشندگانِ کوفہ کو لکھا کہ "میں نے عمار بن یاسر کو امیر اور عبداللہ بن مسعود کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے۔ یہ دونوں رسول اللہ صلعم کے شریف ترین بدری صحابی ہیں۔ ان کی پیروی اور اطاعت کرو اور ان کا کہنا مانو۔ میں نے عبداللہ بن مسعود کو بھیج کر تمھارے ساتھ ایثار سے کام لیا ہے۔" آپ اہل کوفہ کے معلم اور قاضی کی حیثیت سے وہاں مقیم رہے اور وہاں کے باشندوں نے آپ سے اخذ حدیث کیا۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے قرآن پڑھا۔ اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا۔ مذہب کے فقیہ اور حدیث کے عالم تھے۔ حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ سے باقاعدہ علم شریعت حاصل کیا تھا۔ حضرت عثمان غنی کے عہد خلافت میں ۳۲ھ میں آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی۔[۱]

اس موقع پر یہ جاننا ضروری ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے علقمہ، اسود، عبیدہ، حارث بن قیس، مسروق،

---

[۱] تاریخ فقہ اسلامی و کوکب الدری

عمرو بن شرحبیل وغیرہ نے علوم حاصل کئے اور ان حضرات سے ابراہیم نخعی اور شعبی نے اور ان سے امام ابو حنیفہ، ابو اسحٰق اور اعمش نے اور ان سے حضرت سفیان ثوری وغیرہ نے۔ علمائے کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضہ کے تلامذہ کی فہرست بہت ہی طویل ہے (تفصیل کے لئے "معرفۃ علوم الحدیث" للحاکم وغیرہ ملاحظہ ہو) ان سے صدہا بلکہ ہزارہا مخلوق الٰہی نے سنن و آثار نبوی کی تعلیم حاصل کی اور اسی علم کے ذریعہ سے معاملات مذہبی و سیاسی کو انجام دیا اور پھر یہ علوم دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے۔ (باقی)

ترجمانُ القرآن کے سابق پرچے

ترجمانُ القرآن کے مندرجہ ذیل سابق پرچوں کی دفتر ہذا کو ضرورت ہے۔ جو حضرات ان پرچوں کو قیمتاً فروخت کرنا چاہتے ہوں۔ یا جنکے پاس یہ پرچے زائد موجود ہوں وہ براہِ کرم ان پرچوں کو بذریعہ ڈاک ہمارے پاس روانہ کردیں۔ اور لفافہ پر اپنا مکمل پتہ تحریر فرما دیں تاکہ ۸ر فی پرچہ کے حساب سے ان کو قیمت روانہ کی جا سکے۔

رسائل و اخبارات کے اڈیٹر صاحبان سے بھی گزارش ہے کہ اگر وہ مکمل فائل نہ رکھنا چاہتے ہوں۔ اور ان کے پاس یہ پرچے ہوں تو وہ بھی ان پرچوں کو بھجوا کر قیمت وصول کرلیں۔

سال ۱۳۵۲ھ	جلد ۲	عدد ۱	ماہ محرم	سال ۱۳۵۶ھ	جلد ۱۰	عدد ۳	ماہ ربیع الاول
〃	جلد ۳	عدد ۲	ماہ شعبان	〃	〃	عدد ۴	ماہ ربیع الثانی
〃	جلد ۳	عدد ۳	ماہ رمضان	〃	جلد ۱۱	عدد ۲	ماہ شعبان
سال ۱۳۵۴ھ	جلد ۴	عدد ۱	ماہ محرم	〃	〃	عدد ۳	ماہ رمضان
〃	〃	عدد ۲	ماہ صفر	سال ۱۳۵۷ھ	جلد ۱۲	عدد ۵	ماہ جمادی الاولیٰ
〃	〃	عدد ۳	ماہ ربیع الاول	〃	〃	عدد ۶	ماہ جمادی الاخریٰ
〃	〃	عدد ۴	ماہ ربیع الثانی	〃	جلد ۱۳	〃	ماہ رجب
سال ۱۳۵۶ھ	جلد ۱۰	عدد ۲	ماہ صفر		منیجر		